Vol.4 No.4 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

میراجی: شخصیت اور شاعری کا تال میل

☆ڈاکٹر سجاد نعیم

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ ءاردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

☆☆محمد اویس

ریسرچ اسکالر ایم فل، شعبہ ءاردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

ABSTRACT:

When Urdu poetry passes through the classical era and enters the era of Sir Syed, the time is demanding changes at the thematic level. For some time, new topics were tried to be used in Urdu poetry, but these new topics were also demanding some new forms. It was in this context that modern Urdu poetry began. This transformation of practice addressed the psychology of modern man. Modern Urdu Poetry has got three big names (NM Rashid, Meera Ji and Majeed Amjad) from the very beginning. As the beginning of modern Urdu poetry was its height, Meera ji was unique both physically and imaginatively in that he made the subject of existential anguish as well as the psychology of the new man. Meera Ji's own personality is a metaphor for his creative universe. His unconscious states are discovering a new place of meaning. He seem to embody everything in the world of imagination. He has a profound effect on Indian mythology and Hindu mythology. He look for angles to satisfy their sexual urges. Because the influence of Western literature and especially of French poets is also found to some extent. This article is written in the light of the above points, so that Meera Ji's poetry can be examined in the context of his personal interests.

Key Words: *Meera Ji, Poetry, Modern, Hindu mythology, Imagination.*

بیسویں صدی میں ہیئتی، موضوعاتی اور اسلوبیاتی سطح پر نظم میں لامختتم تبدیلیاں ہوئیں۔ یہ تبدیلیاں محض مغربی ادب کے تراجم کا نتیجہ نہیں تھیں بلکہ انسانی زندگی میں تنوع آنے کے بعد اس کے وسیلۂ اظہار میں بھی کایا کلپ ہوئی۔ اگر جدید نظم کی بات کی جائے تو میراجی سے پہلے حالی، اقبال، راشد اور تصدق حسین خالد وہ شاعر تھے جو نظم کو عروج عطا کر چکے تھے۔ مگر میراجی ان سب سے الگ تھلگ شاعر تھے۔ انہوں نے محبت کے ان پہلوؤں کو اہمیت دی جو انسان کی ذات سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے دھرتی اور مٹی کی خوشبو کو نظموں کا حصہ بنایا۔ داخلی زندگی کی الجھنیں اور تصورات بھی میراجی کی شاعری کا خاصا ہیں۔ ان کے ہاں یہ تینوں چیزیں مختلف انداز میں ظاہر ہوتی ہیں اور قاری کی ذہنی مشق بھی کراتی ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا اپنے مضمون "میراجی کی اہمیت" میں رقم طراز ہیں کہ:

> "میراجی کے کلام کو آسانی سے گرفت میں لینا مشکل ہے کہ یہاں لائنیں ایک دوسرے کو کاٹتی، ایک دوسرے سے ملتی اور پھر جدا ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں، وہ گویا ایک کٹھالی میں ہے۔ کوئی بات بھی تکمیل کی حامل نہیں، اس کی شعری زبان کو لیجئے تو نظم وضبط سے عاری ہے۔ تصورات کو دیکھئے تو نئے نئے ماخذ کا پتہ دیتے ہیں، افکار کو جانچئے تو ایک عجیب سی آویزش کا احساس ہوتا ہے۔ زبان کی شکست وریخت، تصورات کی فراوانی اور افکار کی مبہم پرچھائیں۔۔۔ یہ ہے میراجی۔"[۱]

میراجی کی شاعری نے اردو شاعری پر گہرے اثرات مرتسم کیے۔ ان کی نظموں کو سمجھنے کے لیے میراجی کے ان مضامین کو بھی دیکھنا پڑے گا جو انہوں نے مغربی شاعروں پر تصنیف کیے۔ اس کے علاوہ میراجی پر لکھے گئے خاکے بھی ان کی شخصیت اور فکر وفن کی پیچیدہ گتھیاں سلجھانے میں معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔ میراجی کے ہاں تصوراتی آدرش نمایاں ہے۔ وہ چیز کو کوئی مادی حقیقت سمجھنے کی بجائے اسے 'تصور' اور 'خیال' فرض کرتے ہیں۔ ثناءاللہ سے میراجی تک کے سفر سے تمام لوگ بخوبی واقف ہیں۔ انہوں نے اپنی دریافت کے لیے اپنے اندر کا سفر کیا۔ میراجی کے ہاں خود تلاش کرنے کی جستجو الوہی طور پر موجود تھی مگر ان کی بنگالی محبوبہ 'میرا سین' نے ان کے اس احساس کو مہمیز لگائی اور وہ خود کو میراجی کے روپ میں ڈھالنے پر مجبور ہوگئے۔ میراجی کی یہ تبدیلی ان کی لاشعوری کیفیات کو نمایاں کرتی ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر کا خیال ہے کہ:

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"میراجی کا نام اور حلیہ تبدیل کرنا لاشعوری عمل تھا۔ انہوں نے ایک طرف صوفیانہ اور ادبی روایت کی کی غیر ارادی طور پر پیروی کی، جو ان کے لاشعور کے ثقافتی خانے میں موجود تھی، اور دوسری طرف نام اور حلیے کی مماثلت قائم کر کے لاشعوری تسکین حاصل کی۔ بعد میں میراجی نے جنسی تسکین کے لیے 'تصویر اور تصور' کو سامنے رکھنے کی ترکیب کا ذکر اپنے دوستوں سے کیا؛ حقیقت میں وہ، نام و حلیہ کے ذریعے مماثلت قائم کرنے کے لاشعوری طریقے ہی کی نقل تھی۔ اس طرح میراجی نے خیال، تخیل اور تصور کی حقیقت اور طاقت کو دریافت کیا"۔[۲]

میراجی کے اس رویے کے پیچھے کم مائیگی، لاحاصلی اور بے نشاں ہونے کا وہ خوف موجود ہے جو کسی بھی فرد کو اپنے تصرف میں لے سکتا ہے۔ یہی احساس ان کی شاعری کو انفرادیت عطا کرتا ہے۔ میراجی کی نظموں میں اجتماعی لاشعور کی بجائے اپنی ذات کا عکس پیش کرتے ہیں، جس وجہ سے ان کی نظموں کو سمجھنے میں مشکل پیش آسکتی ہے۔ سعادت حسن منٹو اپنے خاکے "تین گولے" میں لکھتے ہیں کہ:

" اس (میراجی) کی باتوں میں الجھاؤ نہیں تھا اور یہ چیز میرے لیے باعث حیرت تھی۔ اس لئے کی اس کہ اس کی اکثر نظمیں ابہام اور الجھاؤ کی وجہ سے ہمیشہ میری فہم سے بالاتر رہی تھیں لیکن شکل و صورت اور وضع قطع کے اعتبار سے وہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا اس کا بے قافیہ مبہم کلام۔ اس کو دیکھ کر اس کی شاعری میرے لیے اور بھی پیچیدہ ہو گئی۔"[۳]

ابلاغ اور ابہام کا مسئلہ میراجی کی شخصیت اور شاعری کا حصہ ہے۔ لیکن ان کی تخلیقی کائنات میں یہ دونوں پہلو کلیت کا روپ ڈھالتے ہیں۔ انہوں نے نظموں میں جو موضوعات خلق کرنے کی سعی کی ہے، ان کا تعلق میراجی کی ظاہری شخصیت اور داخلی دنیا سے ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ میراجی کو کسی بھی چیز کی مادی حقیقت کی بجائے اس کا تصور عزیز ہے۔ ان کی ایسی کئی نظمیں ہیں جن میں وہ لطف و انبساط کو تصور کی حد تک ہی رکھتے ہیں اور اسی کے ذریعے مسرت کشید کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے لیے عورت کا وجود غیر ضروری ہے اور وہ اس کے تصور کو اپنے قریب سمجھتے ہیں۔ ان کی نظم "لبِ جوئبارے" سے چند سطریں دیکھیے:

ہاں، تصور کو میں اب اپنے بنا کر دو یہاں

اسی پردے کے نہاں خانے میں لے جاؤں گا

کیسے تلوار چلی، کیسے زمیں کا سینہ

دل بے تاب کی مانند تڑپ اٹھا تھا

جل پری آئے کہاں سے؟ وہ اسی بستر پر

میں نے دیکھا، ابھی آسودہ ہوئی لیٹ گئی

لیکن افسوس کہ میں اب بھی کھڑا ہوں تنہا

ہاتھ آلودہ ہے، نمدار ہے، دھندلی ہے نظر

ہاتھ سے آنکھوں کے آنسو تو نہیں پونچھے تھے

(کلیات میراجی، مرتبہ: جمیل جالبی، ص۔ ۱۱۰،۹۹)

اسی طرح ان کی نظم "کیفِ حیات" بھی ایسی ہی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے۔ چند سطریں ملاحظہ کیجئے:

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"گرم لہو رگ رگ میں مچلتا،

ساتھ ہے سپنوں کے پیتم کا،

خوشیوں کا جھولا ہے میرا،

جھول رہی ہوں، جھول رہی ہوں، نرم بہاؤ، نرم اور تیز"!

'ایضاً، ص۔۵۶)

اس نظم کی آخری دو سطروں میں "تصور" کا احساس شدید تر ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ خواہشاتِ جسمانی کو اپنے ہاتھوں کے سپرد کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک صنفِ مخالف کے ساتھ وصل کی خواہش ہمیشہ خواب ہی رہتی ہے، اسی لیے وہ اپنی تسکین کے لیے خود لذتی سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ آنسوئوں اور سفید مادے میں مشابہت وجود کے اہم گوشے کی دریافت ہے۔ ان کی نظم "افتاد" بھی قابل ذکر ہے۔ چند سطریں دیکھیے:

"ایک دروازے میں کیا راز کی باتیں ہیں نہاں

ابھی کھولوں۔۔۔ کوئی ان دیکھی، انوکھی صورت

سامنے بت بنی، استادہ نظر آجائے،

زندگی سے تری افسوس! ہمیشہ کیلئے

کوئی رخصت ہوا، رخصت ہوا، معدوم؛۔۔۔ عدم

بند ہوتا ہوا، کھلتا ہوا دروازہ ہے!

ہاں یہی منظر لبریز بلاغت اب تو

آئینہ خانے میں آنکھوں کے جھلکتا ہے مدام

(ایضاً، ص۔۱۱۰)

میراجی کا یہی تخلیقی سفر ایک ایک سطح پر پہنچ کر خواب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس طرح وہ حقیقت اور مادے کو کوئی ثانوی چیز سمجھتے ہیں جبکہ خواب ان کے نزدیک اساسی حیثیت حاصل کر لیتا ہے۔ میراجی پھول سے زیادہ اس کی خوشبو سے محبت کرتے ہیں۔ وہ انسان کو روح کے ذریعے سمجھنا چاہتے ہیں۔ خاکی وجود ان کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میراجی جنسی ضرورتوں کو بھی تخیل اور تصور میں پورا کرتے ہیں۔ کیونکہ مادی چیزیں ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جمیل جالبی اس رویے کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"میراجی کو 'تصور' کا یہ عمل اس لیے بھی عزیز ہے کہ وہ خصوصیت کے ساتھ اسے آریائی روح و مزاج کا عمل سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ تصور کے ذریعے نہ صرف اپنی ذات کی چھوٹی بڑی الجھنوں کو سمجھنا چاہتے ہیں بلکہ تصورات کو ذہنِ انسانی کا استعارہ بنانے کی کرتے ہیں۔"[۴]

میراجی کی بیشتر نظموں میں خواب آگیں فضا محسوس ہوتی ہے۔ جس سے میراجی کی تصوراتی دنیا ان کی تخلیقی اور فکری توانائیوں کے ساتھ نمایاں نظر آتی ہے۔ جب انسان اپنی معروضی دنیا سے ناطہ توڑ لیتا ہے تو اسے تصوراتی دنیا نہایت خوبصورت اور دلکش معلوم ہوتی ہے۔ وہ زندگی کے مفہوم سے ڈرتا ہے اور اپنے اندر کو آواز دیتا ہے جہاں سے اس حقیقت کے

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

چشمے پھوٹتے ہیں اور پھر تمام عمر وہ ان میں غوطہ زن رہتا ہے۔ میراجی کی شاعری میں بھی یہ احساس پوری آب و تاب کے ساتھ قاری کو اپنی گرفت میں لیتا ہے۔ ان کی نظم "اجنبی انجان عورت رات کی" ایسی ہی کیفیت کو نمایاں کرتی ہے۔ چند سطریں دیکھیے:

میں دھندلی نیند میں لیٹا تھا سو پردوں سے وہ جاگ اٹھی

ہلکے ہلکے بہتی آئی اور چھائی میٹھی خوشبو سی

میں کون ہوں، کیا ہوں، کیا جانے، من بس کیا اور بھول گئی

جب آنکھ کھلی اور ہوش آیا تب سوچ لگی، الجھن سی ہوئی

پھر گونج سی کانوں میں آئی وہ سندر تھی سپنوں کی پری

(ایضا، ص۔ ۷۴)

اس نظم میں کسی بھی حقیت یا واقعیت کا اظہار نہیں ہے۔ ہم اس کو کسی بھی سماج کی معروضی منطق میں رکھ کر نہیں دیکھ سکتے۔ بلکہ یہ میراجی کے وہ منتشر خیالات ہی ہیں جو ان کے گلے میں پڑی مالا کی طرح لفظوں کی ترتیب کے ساتھ پرو دیے گئے ہیں۔ میراجی جب ہر چیز کو 'تصور' کے آئینے میں دیکھتے ہیں تو ان کے لیے جسم بھی کوئی حقیقت نہیں رہتا بلکہ وہ اس کو بھی روح ہی خیال کرتے ہیں۔ میراجی زمانے کی اخلاقیات سے اپنا ناطہ توڑتے ہیں، وہ اپنے اصول و ضوابط خود طے کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اذیت اور درد کو اپنی متاع سمجھتے ہیں۔ ان کی تمام خوشیاں خود ایذائی میں چھپی ہوئی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انسان صرف اسی وقت اصل لذت سے فیض یاب ہو سکتا ہے جب وہ اپنے تخیل سے رجوع کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی نظم "دھوبی گھاٹ" سے چند سطریں دیکھیے:

"ملبوس پہ کرنوں کی تمازت

ہے دام نظر کا،

اور صبحِ شبِ عیش کو گیسو کا مہکتا ہوا جھونکا

مرہون سحر کا،

ہوتا ہی نہیں ہے۔

مجبورِ اذیت!

تو مان لے، اس عکس کا منظر

دیتا ہے تجھے جام کشیدہ کی سی لذت

کیوں سوچ رہا ہے

جھوٹا ہے یہ پیالہ؟

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کیا آج زمانے میں کہیں دیکھی ہے تو نے

دوشیزہ مسرت؟"

(ایضاً،ص۔۸۶،۸۵)

اس نظم میں دھوبی کے ذریعے میراجی نے ان جسموں کا تصور پیش کرنے کی سعی کی ہے جن کے اترن دھوبی گھاٹ پر جمع ہیں۔ میراجی تصور میں ان کپڑوں کا ایسا خیال پیش کرتے ہیں جس سے جسموں کی خوشبو اور ان کے خال وخط ہمارے سامنے نمایاں ہوتے ہیں۔ میراجی کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ یہ کپڑے وصل کی کتنی کہانیاں اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں بلکہ وہ تو ان سے ملنی والی استعمال شدہ خوشی کو بھی دوشیزہ مسرت سے ارفع قرار دیتے ہیں۔ اس طرح جسم سے روح میں ڈھلنے والا عمل ان کی اس نظم میں نمایاں ہے۔

میراجی کی بعض نظموں میں ہندوستان کی اساطیر اور دیومالائی قصوں کی طرف مراجعت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ زندگی کو ماضی کی مبہم وادیوں میں تلاش کرتے ہیں۔ میراجی کا یہ سفر اجتماعی لاشعور اور مابعد الطبیعات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ وہ اپنی دھرتی کو مقدس ہستی کی طرح پوجتے ہیں۔ ان کی نظموں میں جو تصوراتی آدرش نمایاں ہوتا ہے، اس میں ہندوستانی فضا اور اساطیر کا بھی حصہ ہے۔ ایسی نظموں میں 'سنجوگ'، 'مندر میں'، 'دیوداسی اور پجاری' اور 'برہا' قابل ذکر ہیں۔ "برہا" سے چند سطریں ملاحظہ کیجئے:

"سیمابی اور عنابی چیتے ہیں اندھیری راتوں میں،

جیسے منتر ہوں جنگل کے جادوگر کی باتوں،

یا ساون میں کالی گھٹاؤں کی تیکھی برساتوں کے،

دل پر چھانے والے نغمے، بے ہوشی لانے والے!

ایسی راتیں__ چند اگھو نگھٹ کاڑھے چپکے ہوئے ہیں،

اور گنتی کے چند ستارے نیند میں کھوئے کھوئے ہیں،

پیڑ اور پتے، ٹہنی ٹہنی تاریکی میں دھوئے ہیں،

دل کو ڈرانے والے سائے، دل کو دہلانے والے"!

(ایضاً،ص۔۴۹)

ان کی نظم "مندر میں" کا حوالہ دینا بھی معنویت سے خالی نہیں ہوگا۔ چند سطریں دیکھئے:

"منتر بول میٹھے

منتر بول میٹھے، من بھاتے

دکھ کو دور کہیں لے جاتے

آئیں پجاری، جائیں پجاری

سکھ کی برکھا لائیں پجاری

منتر بول سے

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

پرم ایشور کے

کومل من کور جھائیں پجاری

گائیں پجاری

منتر بول بیٹھے"

(ایضاً، ص۔ ۸۲)

لیکن اس سب کے باوجود میراجی کو صرف ایک خاص نقطہ نظر کا شاعر نہیں کہا جاسکتا بلکہ ان کی نظموں میں عصری اور ذاتی آشوب کی جہتیں نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں۔ وہ زندگی کی بے راہ روی کو ٹھکراتے ہوئے اپنی تلاش میں نکلتے ہیں اور یہ احساس دلاتے ہیں کہ انسان اپنی جمالیاتی، فکری اور ثقافتی اقدار کو کھو چکا ہے۔ میراجی ذات کے ارد گرد پھیلے شور میں خود کو ڈھونڈھتے ہیں اور اپنے سائے سے ہم کلام ہونا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ زندگی کو معنویت سے بھرپور گزارنا ہی کسی انسان کا اولین مقصد ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر رشید امجد کا خیال ہے کہ:

> "میراجی کے یہاں صرف ان کی ذات، ان کا لاشعور اور ان کی مابعد الطبیعات ہی مختلف زاویوں سے منعکس نہیں ہوتی بلکہ ان کی ذات کا آشوب اپنے عصری آشوب کو اپنے اندر سمیٹ کر ان کی نظموں کو ہمہ جہت بناتا ہے۔ میراجی کے موضوعات زندگی کی متنوع جہات کا احاطہ کرتے ہیں اور ان کے رنگ پوری زندگی کی لہروں سے جنم لیتے ہیں"[۵]

میراجی کی تخلیقی کائنات میں ایک اہم پہلو 'مسافر' کا ہے۔ وہ جس طرح بے چینی اور بے فکری کے ساتھ جگہ جگہ پھرتے تھے، ان کی نظموں کے بیشتر کردار بھی آوارہ اور اجنبی دکھائی دیتے ہیں۔ انسان فطری طور پر آزاد ہوتا ہے۔ مگر سماجی پابندیاں اور روایات اسے پابہ زنجیر ہونے پر مجبور کرتی ہیں۔ جب کوئی بھی فرد ان رکاوٹوں کو پھلانگتا ہے تو وہ اپنے اندر کا سفر شروع کرتا ہے۔ میراجی بھی زندگی کی تلاش میں نکلتے ہیں اور وہ اس دنیا کی لا انتہا وسعتوں کو چھونا چاہتے ہیں۔ وہ آوارہ پنچھی کی طرح اڑنا چاہتے ہیں۔ وہ ایسی کیفیت کے لیے "چنچل" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ان کی نظم "آمدِ صبح" ملاحظہ کیجیے:

"یہ روشن اور اجلا چاند یعنی رات کا پریمی

یہ اس کو جگمگاتے، پیلے تاروں سے

سجا کر لایا ہے گھر سے

مگر چنچل ہے رانی رات کی بے حد

دوپٹی شب کا ڈھلکے گا"

(ایضاً، ص۔ ۶۲)

ان کی نظم "چنچل" بھی آوارگی کی کیفیت کو نمایاں کرتی ہے۔ چند سطریں دیکھیے:

یہ موہن مدھ متوالی ہے، یہ مے خانے کی چنچل ہے

یہ روپ لٹاتی ہے سب میں 'پر آدھے منہ پر آنچل ہے

کیا ناز انوکھے اور نئے سیکھے اِندر کی پریوں سے

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اور ڈھنگ منوہر اور زبری سوجھے ساگر کی پریوں سے؟

(ایضاً، ص۔۶۰)

میراجی نے جس عہد میں زندگی گزاری وہ ثقافتی اور تہذیبی اعتبار سے بکھراہٹ کا شکار تھا۔ یہ وہ دور تھا جب سائنسی اور عقلی دلائل پیش کیے جارہے تھے۔ لوگ خدا اور مذہب کے متعلق لایعنیت کا شکار تھے۔ سائنس فرد کی زندگی کو تشکیک سے نکالنے کی بجائے، اس کے کم مایہ ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔ مجموعی اعتبار سے زندگی خلا میں بھٹک رہی تھی۔ میراجی بے معنی زندگی کو بامعنی بنانے کے لیے ایک مسافر کی طرح مختلف سمتوں کا سفر کیا اور آوارگی کو اپنا جنون بنالیا۔ مگر انہیں ہر موڑ پر مقتدر قوتوں کے سامنے اپنا سر خم کرنا پڑا۔ انوار انجم لکھتے ہیں کہ:

"میراجی تھکی ہوئی اور مجروح انا کا یہ مسئلہ سودا کی طرح کسی جھنجھلاہٹ یا جارحانہ ردِ عمل کا اظہار نہیں کرتا بلکہ نہایت خاموشی سے باہر کی طوفانی قوتوں کے سامنے ہار مان لیتا ہے اور یوں اپنے آپ کو شکست کو دے کر خارجی حقائق کے زہریلے اثرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اب یہ خود حفاظتی کا احساس ہی اس کے تمام تر سکون کا ذمہ دار ہے۔ اب اسے نہ معاشرے کی اقدار کا خیال ہے نہ ان کی تباہی کا غم"۔[۶]

میراجی کے ہاں ہر کیفیت کی موہوم سی صورت دکھائی دیتی ہے۔ وہ خوشی، اداسی اور تصوراتی دنیا سے کسی مسافر کی طرح گزر جانا چاہتے ہیں۔ میراجی کی بے فکری، بے چینی، آوارگی اور بے نیازی سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے سماج سے کسی صورت بھی مطابقت نہیں رکھتے بلکہ ان کی تصوراتی دنیا میں کسی دوسرے فرد کو داخل ہونے کی اجازت بھی نہیں۔ شمیم حنفی لکھتے ہیں کہ:

'میراجی نے اپنے عہد کو کئی سطحوں پر متاثر کیا، مگر بڑی خاموشی کے ساتھ، ایک بھگشو، ایک پیراگی، ایک جوگی اور ایک سادھو کی طرح، جس کے ہر عمل میں ایک تمکنت، ایک بے نیازی، ایک استغراق نمایاں ہوتا ہے، جو صرف اپنا اظہار کرتا ہے، اپنا اعلان نہیں کرتا اور ہمیں بغیر کسی شور شرابے کے یہ بتاتا ہے کہ اس طور طریقے، اس کے مقاصد اور معاملات، اس کے گردوپیش کی دنیا کے ہاتھ بھائو، مقاصد اور معاملات سے، بہر حال مختلف ہیں۔"[۷]

میراجی کی شخصیت کو ان کی تخلیقی کائنات سے علاحدہ نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کی نظمیں میراجی کی داخلی دنیا کے مرکزے سے جنم لیتی ہیں۔ انہوں نے تخلیقیت کا خمیر دکھ، جنس، تصور، روح اور زندگی کی بے ترتیبی سے تیار کیا ہے۔ میراجی شاعری کے ذریعے نئے تصورات کو جنم دیا۔ انہوں نے اپنی ذات کی بے نشانیوں کو نظم کے ذریعے نشان زد کرنے کی سعی کی۔ ان کے ہاں ایسے کرداروں کی کتھا ملتی ہے جو زندگی کے روایتی دائروں سے بغاوت کرتے ہیں اور اپنی دنیا خود تشکیل دینا چاہتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، میراجی کی اہمیت، مشمولہ، میراجی، مرتبہ: رشید امجد، ڈاکٹر، عابد سیال، ڈاکٹر، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۰، ص:۱۸۵

۲۔ ناصر عباس نیّر، اُس کو اِک شخص سمجھنا تو مناسب ہی نہیں، (مقدمہ)، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۷، ص:۳۴

۳۔ سعادت حسن منٹو، گنجے فرشتے، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵، ص:۵۸

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، میراجی کو سمجھنے کے لیے، مشمولہ، میراجی ایک مطالعہ، مرتبہ: جمیل جالبی، ڈاکٹر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۰، ص:۲۷۹،۲۷۸

۵۔ رشید امجد، ڈاکٹر، میراجی (شخصیت اور فن)، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۶، ص:۱۷۲

۶۔ انوار انجم، میراجی (شخصیت اور فن)، اردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۹، ص:۱۴۰

۷۔ شمیم حنفی، میراجی اور ان کا نگار خانہ، شہر زاد، کراچی، ۲۰۱۳، ص:۱۵۸